دسویں صدی ہجری کے

برصغیر پاک و ہند میں علمی انقلاب

(شبیر احمد غوری۔ ایم اے۔ ایل ایل بی)

عہدِ مغلیہ میں نصابِ تعلیم کے اندر ایک اہم بنیادی تبدیلی بتائی جاتی ہے۔ یہ ہے:۔

"نصاب پر معقولات کا چھا جانا"

یہ صحیح ہے کہ مغل حکمرانوں میں سے اکبر نے بنفسِ نفیس اس تعلیمی رجحان کی پروان چڑھنے میں ہمت افزائی کی تھی[1] اور اُس کی جارحانہ اسلام بیزاری کے نتیجے میں عام تعلیم یافتہ طبقے میں منقولات کے بجائے فلسفہ و معقولات کو قبولِ عام حاصل ہونے لگا تھا[2] مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود روحِ عصر ہی اس معقولات پسندی کی طرف مائل تھی اور اگر زیادہ امعانِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکبر کی دین دشمنی کے علاوہ اور بھی عوامل اس بنیادی تبدیلی میں کارفرما تھے، جن میں سے بعض کا اثر تو ہندوستانی فکر میں مغلوں کی آمد سے پہلے ہی نمودار ہونے لگا تھا۔

مغل سلطنت کا آغاز ہندوستان میں ۹۳۲ھ سے ہوتا ہے۔ اور بابر نے ہندوستان پر باقاعدہ حملوں کی ابتدا سلطان سکندر لودھی کی وفات (۹۲۳ھ) کے بعد کی۔ مگر ہندوستانی مدارس میں معقولات کی طرف رجحان ۹۲۲ھ (جو شیخ عبداللہ طلنبی کا سال وفات ہے) سے کہیں پہلے سے بڑھنے لگا تھا کیونکہ شیخ عبداللہ طلنبیؒ

---

[1] بدایونی نے ۹۸۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے: "و دریں سال حکم شد کہ ہر قوم ترکِ علوم عربیہ نمودہ غیر از علوم غریبہ از نجوم و حساب و طب و فلسفہ نخوانند" (منتخب التواریخ کشوری ص ۲۶۱)۔

[2] صاحبِ دبستان المذاہب نے لکھا ہے: "و شنیدن مناظرہ علماء در میان مردم باطل، خواندن تفسیر و فقہ بر طرف شد و نجوم و حکمت و حساب و تعریف و شعر و تاریخ مقرر گشت" (دبستان المذاہب ص ۲۱۷)۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نے اپنے رفیق شیخ عزیز اللہ ملتانی کے ساتھ یہاں آکر معقولات کو رواج دیا تھا۔ چنانچہ بدایونی نے لکھا ہے:

"واز جملہ علمائے کبار در زمان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیز اللہ طلبنی در سنبل بودند۔
وایں ہر دو عزیز ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادند و قبل
ازیں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبود۔"[1]

سکندر لودی کی وفات کے نو دس سال بعد ہندوستان میں مغل سلطنت کا آغاز ہوا۔ فاتحین اپنے ہمراہ وسط ایشیاو خراسان کے ثقافتی رجحانات کے ساتھ وہاں کے علمی و فکری میلانات بھی لائے تھے۔ ان میلانات میں سب سے اہم معقولات پسندی کا میلان تھا۔ اس سے ملک کے اندر علوم معقولہ کی ترقی میں جو پہلے ہی شیخ عبداللہ طلبنی اور شیخ عزیز اللہ طلبنی کے نفس گرم کی تاثیر سے متاثر ہو چکی تھی، مزید اضطراب پیدا ہوا، اور آخر میں تو نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی۔

مگر اس کی تفصیل سے پیشتر اس تاریخی نکتہ کو دھیان میں رکھنا بڑا ضروری ہے کہ ہر چند ہندوستان ہمیشہ سے علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے، مگر قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی علمی و حکمی سرگرمیاں پورے طور پر عراق و خراسان کی علمی و حکمی سرگرمیوں کا تسلسل تھیں اور اس لئے اسلامی ہند کی مساعی علمیہ کو اُن کے صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے ایران کی علمی و تعلیمی تحریکوں کو تفصیلی طور پر نظر میں رکھا جائے۔

یوں تو شروع ہی سے ایران و خراسان کے علمی اثرات یہاں کی ثقافتی سرگرمیوں کا رُخ متعین کرنے میں مؤثر رہے ہیں، مگر آٹھویں صدی ہجری سے یہ تاثیر و تاثر بہت زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

آٹھویں صدی کا مجدد ملت (قاضی عضد الدین الایجی)

آٹھویں صدی کے نصف اوّل میں ہمیں ایران کے اندر ایک مشہور باکمال فاضل ملتے ہیں، وہ قاضی عضد الدین الایجی ہیں۔ وہ "المواقف فی الکلام" کے مصنف تھے، جس کی شرح "شرح المواقف" (از میر سید شریف) آج بھی علم کلام میں حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ اور اُن کی اس عظیم المرتبت تصنیف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی نے قاضی عضد کو ابو اسحٰق انجو والی شیراز کے دربار کے پانچ رتنوں میں محسوب کیا ہے: چناں چہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] منتخب التواریخ بدایونی جلد اول صـــ ۳۲۸۔

دگر شہنشہ دانش عضد کہ در بینش　　　بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

قاضی عضد کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہر چند محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے عہد میں مختلف علوم کے باکمال موجود تھے، مگر اُس نے انہیں ہندوستان لانے کے لئے شہر دہلی کے مشہور فاضل مولانا معین الدین عمرانی کو اُن کے پاس شیراز بھیجا۔ چناں چہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:۔

"چنیں گویند کہ سلطان محمد تغلق کہ قاضی عضد را بدیار ہندوستان طلبیدہ و توشیح متن مواقف بنام خود التماس نمودہ، ہم مولانائے مذکور (مولانا معین الدین عمرانی) را فرستادہ بود۔ آثار فضل و دانش از وے (مولانا عمرانی) درآں جا بظہور آمد"

اسی طرح آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:۔

ارسله السلطان محمد بن تغلق شاه والی الهند المتوفی سنة ثنتین وخمسین وسبعمائة الی القاضی عضد الدین الایجی بشیراز واتحف الیه هدایا غیر محصورة والتمس بالهند قدومه واستسقی لهذه الارض غیومه فامسکه السلطان ابو اسحاق و ربح تقییده بسلسلة الاحسان علی الاطلاق ـــــــــــــــ سلطان محمد تغلق نے مولانا معین الدین عمرانی کو قاضی عضد الدین ایجی کے پاس شیراز بے شمار تحف و ہدایا کے ساتھ بھیجا اور ان سے ہندوستان آنے اور اس سرزمین کو اپنے ابرِ فیض سے سیراب کرنے کی درخواست کی۔ مگر سلطان ابو اسحاق نے انہیں روک لیا اور احسان کی زنجیروں میں قید کر لیا"

خود "شرح المواقف" کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق اسے اپنے نام پر معنون کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ قاضی عضد نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

"بکراً من ابکار الجنان .... وکنت برهة من الزمان اُجیل رای و اردد قداحی .... مع تعدد خاطبیها وکثرة الراغبین فیها"

کتاب المواقف دوشیزگانِ جنت میں سے ایک دوشیزہ ہے ...... میں ایک عرصہ تک اسی فکر میں سرگرداں رہا کہ اسے کس کے نام معنون کروں، حالاں کہ اس کے طلبگار بہت تھے۔

اور "المواقف" کے فاضل شارح میر سید شریف نے "خاطبیها" کی شرح میں تصریح کی ہے:۔

"ومن جملة خاطبیها سلطان الهند محمد شاه جونه"

اور ان لوگوں میں سے جو المواقف کو اپنے نام پر معنون کرانے کے خواہش مند تھے، بادشاہ ہندوستان محمد شاہ جونا بھی تھا۔

اسی جلالتِ قدر اور عظمتِ فکر کی بنا پر بعد کے مورخین نے انہیں (قاضی عضد کو) آٹھویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ قاضی عضد شیخ زین الدین الہنکی کے شاگرد تھے جو قاضی ناصر الدین بیضاوی کے تلمیذ رشید تھے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے ان کے تلمذ کے بارے میں لکھا ہے:۔

"واخذ عن مشائخ عصرہ ولازم الشیخ زین الدین الهنکی تلمیذ البیضاوی۔"

[انہوں نے اپنے زمانہ کے مشائخ سے علم حاصل کیا اور عرصہ تک شیخ زین الدین ہنکی کے ہمراہ رہے، جو قاضی بیضاوی کے شاگرد تھے۔]

قاضی ناصر الدین بیضاوی اصولِ فقہ میں "منہاج الاصول" کے اور علم کلام میں "طوالع الانوار" کے مصنف تھے اور جلد ہی ان کتابوں نے اپنے اپنے فن میں ادبیاتِ عالیہ کی حیثیت حاصل کر لی۔ تفسیر میں اُن کی "انوار التنزیل و اسرار التاویل" آج بھی درس میں داخل ہے۔ وہ تین واسطوں سے امام غزالی کے شاگرد تھے اور اس طرح اُن کا سلسلۂ تلمذ امام ابوالحسن الاشعری تک پہنچتا ہے۔

بہرحال قاضی عضدؒ آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر فاضل تھے۔ چنانچہ ابن حجر نے اُن کے علم و فضل کے بارے میں لکھا ہے:۔

"القاضی عضد الدین الایجی...... کان اماماً فی المعقول قائماً بالاصول و المعانی والعربیة مشارکاً فی الفنون"۔ — قاضی عضد الدین الایجی.... ..... علوم عقلیہ میں امام وقت تھے، اصول، معانی اور عربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دیگر فنون میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی۔

تصانیف میں "المواقف فی علم الکلام" کے علاوہ "عقائد عضدیہ"، "شرح مختصر الاصول لابن حاجب" اور "فوائد غیاثیہ" نے آگے چل کر اپنے اپنے موضوع پر ادبیاتِ عالیہ کی حیثیت حاصل کر لی۔ تصانیف کے علاوہ تدریس کے ذریعہ بھی بے شمار تشنگانِ علم و معرفت کو فیض پہنچایا۔

قاضی عضد کے شاگردوں میں دو فاضل بہت زیادہ مشہور ہوئے، مولانا قطب الدین رازی اور علامہ سعد الدین تفتازانی، قطع نظر اس بات کے کہ یہ دونوں بزرگ اسلام کی علمی تاریخ میں ایک نمایاں مقام

رکھتے ہیں، ہمارے نقطۂ نظر سے یہ اس حیثیت سے بھی اہم ہیں کہ ان کی فیض رسانی سے اسلامی ہند خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوا ہے۔

الف ۔ علامہ سعدالدین تفتازانی

علامہ تفتازانی کا نام مسعود اور لقب سعدالدین تھا۔ ۷۱۲ھ میں خراسان کے شہر نسا (جسے اُن سے پہلے مشہور محدث امام نسائی کے مولد و منشا ہونے کا شرف حاصل رہ چکا تھا) کے قریب قریہ الرجال تفتازان میں پیدا ہوئے۔ دیگر عباقرۂ روزگار کی طرح قدرت نے اُنہیں بھی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت بخشی تھی۔ اس لئے سولہ سال کی عمر میں مختلف علوم معقول و منقول کی تحصیل سے فارغ ہو کر تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔

صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے:

"چوں از سن طفولیت بر تبہ بہی ترقی فرمود، آغاز تحصیل علوم و تکمیل فنون محسوس و مفہوم کردہ، در اندک زمانے در میدان دانش قصب السبق از علمائے متقدمین و متاخرین در ربودہ، شمیم قلم مشکین رقم، مشام جان متعشقان روائح فضائل را معطر گردانید و فروغ خاطر افادت تاثرش ریاض اُمید مقتبسان انوار کمالات را نضارت بخشیدہ، آنجناب در شانزدہ سالگی آغاز تصنیف کردہ شرح صرف زنجانی را مرقوم خامۂ بلاغت انتما ساخت۔"

تعلیم جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اُنہوں نے قاضی عضدالدین ایجی سے پائی۔ قاضی عضد کے کثیر التعداد شاگردوں میں سے جو فضل و کمال کے آفتاب و ماہتاب بن کر شہرت کے آسمان پر چمکے، تذکرہ نگاروں نے تین فاضلوں کا نام خصوصیت سے دیا ہے۔ چنانچہ سیوطی نے لکھا ہے:

"انجب تلامذتہ عظاماً اشتہروا فی الآفاق منہم الشیخ شمس الدین الکرمانی و التفتازانی والضیاء القرمی ـــــــ اُن کے بڑے اور صحیح معنوں میں جانشین تلامذہ دنیا میں مشہور ہوئے۔ اُن میں سے شیخ شمس الدین کرمانی، علامہ تفتازانی اور ضیاءالدین قرمی (زیادہ مشہور) ہیں۔"

آج ان تلامذۂ عظام میں سے شیخ شمس الدین کرمانی اور ضیاءالدین قرمی کو کوئی نہیں جانتا، دنیا جانتی ہے تو سعدالدین تفتازانی کو اور اُن سے زیادہ اُن کی "توضیح تلویح" "مختصر المعانی" اور "شرح عقائد نسفی" کو جو آج بھی درس میں داخل ہیں۔ اُن کی جلالتِ قدر کے بارے میں حافظ جلال الدین سیوطی نے، اور اُن کے اتباع میں ابنِ عماد حنبلی نے لکھا ہے:

"الامام العلامة بالنحو والتصریف والمعانی والبیان والاصلین والمنطق ......اشتهر ذکرہ وطار صیتہ وانتفع الناس بتصانیفہ۔ وانتہت الیہ معرفۃ العلوم بالمشرق":

علم نحو، علم صرف، معانی و بیان، اُصول دین (کلام)، اُصول فقہ اور منطق کے امام اور علامہ تھے۔ اُن کا ذکر مشہور ہے اور اُن کی شہرت جگہ جگہ پہنچ چکی ہے۔ لوگوں نے ان کی تصانیف سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ مشرق میں ان علوم کی معرفت اُن پر ختم ہو گئی۔

اُن سے پہلے ابن حجر عسقلانی نے لکھا تھا:-

"وکان قد انتہت الیہ معرفۃ علوم البلاغۃ والمعقول بالمشرق بل بسائر الامصار لم یکن لہ نظیر فی معرفۃ ھذہ العلوم": ——— مشرق میں بلکہ سارے شہروں میں علوم بلاغت اور معقولات کی معرفت اُن پر ختم تھی۔ ان علوم میں تبحر کے اندر وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

علامہ تفتازانی کے حلقۂ درس سے بے شمار فضلاء فارغ ہو کر نکلے۔ ان میں سے ایک کثیر تعداد قدر شناسی کی تلاش میں ہندوستان بھی آئی ہو گی۔ مگر افسوس تاریخ نے ان کا تذکرہ محفوظ رکھنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ صرف ایک فاضل کا نام یاد رکھا ہے، یہ میر فضل اللہ انجو تھے جو فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ - ۸۲۵ھ) کے زمانہ میں یا غالباً اُس سے پیشتر دکن تشریف لائے تھے۔ قدر شناس بادشاہ نے انہیں اپنا وکیل السلطنت بنایا تھا۔ غالباً فیروز شاہ کے باپ نے میر فضل اللہ ہی کو فیروز کا آتالیق مقرر کیا تھا۔

میر فضل اللہ انجو کے فیض تربیت سے فیروز شاہ بہمنی علم و فضل کے اندر محمد تغلق سے بھی گوئے سبقت لے گیا، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:-

"واز برکت میر فضل اللہ انجو کہ از شاگردان خوب ملا سعد الدین تفتازانی است، آں شہنشاہ بے نظیر کسب حیثیت و فضیلت نمودہ۔ واز قیاس چناں مفہوم می گردد کہ دانش وے از دانش بادشاہ محمد تغلق شاہ زیادہ بود": (تاریخ فرشتہ جلد اوّل)

دوسری جگہ وہ فیروز شاہ بہمنی کے تبحر علمی کے بارے میں لکھتا ہے:-

"در اکثر علوم خصوصاً تفسیر و اُصول و حکمت طبیعی و نظری مہارت تمام داشت واز اصطلاحات صوفیہ باخبر بود۔ و در ہفتہ سہ روز شنبہ و دوشنبہ و چہارشنبہ درس می گفت بدیں تفصیل، زاہدی و شرح تذکرہ در ریاضی و شرح مقاصد در کلام و تحریر اقلیدس در ہندسہ و مطول

ملا سعد الدین در علم معانی و بیان : (تاریخ فرشتہ جلد اول ص۳۰۲)

فیروز شاہ بہمنی اگرچہ محمد تغلق کی طرح جفا پیشہ اور قسی القلب تو نہ تھا، پھر بھی اس کی طرح حکیم طبیعت ضرور تھا اور اسی وجہ سے اُسے صوفیاء و مشائخ کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اسی لئے اس نے سید محمد گیسو دراز کی قدر نہیں کی۔ فرشتہ لکھتا ہے:۔

"سلطان فیروز شاہ حکیم طبیعت بود۔ و چوں سید محمد گیسو دراز را در علم ظاہری خصوصاً معقولات خالی دید، چنداں توجہ نمود"

فیروز شاہ بہمنی کا سب سے بڑا کارنامہ رصدگاہ بالاگھاٹ کی تعمیر ہے جو قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی عمارت تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے:۔

"و در سنہ ۸۱۰ھ عشر و ثمان مائۃ سلطان فیروز شاہ کہ از علم ریاضی و ہندسہ وقوف تمام داشت و سر آمد فضلائے زمانہ خود و جمع آمدہ بودند، حکم فرمود کہ در بالاگھاٹ دولت آباد رصد بندند و دریں صورت حکیم حسن گیلانی و سید محمود گاذرونی کہ بمزید دانش امتیاز داشتند، باتفاق جمیع علماء بآں امر مشغول شدند۔ لیکن بنابر بعضے اُمور کہ یکے ازاں جملہ فوت حکیم حسن گیلانی بود، رصد تمام نہ شد و آں کار ناتمام ماند" (تاریخ فرشتہ جلد اول ص۳۱۶)

رصدگاہ بالاگھاٹ سنہ ۸۱۰ھ میں تعمیر ہونا شروع ہوئی، یعنی اُلغ بیگ کی رصدگاہ سمرقند سے تیرہ سال قبل، کیوں کہ حسب تصریح "مجمل فصیحی" اُلغ بیگ نے سنہ ۸۲۳ھ میں اپنی رصدگاہ تعمیر کرانا شروع کی تھی۔ اس سے نہ صرف فیروز شاہ کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ نجوم و ہیئت کی ترقی کے بارے میں وسط ایشیا کے مقابلے میں ہندوستان کی سبقت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

علامہ تفتازانی کے دوسرے شاگرد جن کا ہندوستان میں تشریف لانا بتایا جاتا ہے، شیخ موسیٰ جبری تھے۔ مولانا عبدالحی ندوی نے "نزہۃ الخواطر" میں لکھا ہے کہ مولانا فتح اللہ ملتانی نے دہلی میں آکر اُن سے علوم معقولہ کی تکمیل کی تھی۔ لیکن ہنوز مجھے شیخ موسیٰ جبری کا تذکرہ کسی اور جگہ نہیں مل سکا۔ مولانا فتح اللہ ملتانی کا مزید تذکرہ آگے آرہا ہے۔

ب۔ مولانا قطب الدین رازی

مولانا قطب الدین رازی فلسفہ اور کلام دونوں میں دستگاہ عالی رکھتے تھے۔ کلام میں وہ

قاضی عضد الدین الایجی کے اور فلسفہ میں علامہ قطب الدین شیرازی کے شاگرد تھے۔

قاضی عضد سے ان کے تلمذ کے بارے میں ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے:۔

"قطب الدین محمد وقیل محمود بن محمد الرازی .... شارک فی العلوم الشرعیة واخذ عن العضد وغیرہ" (مولانا قطب الدین، محمد بن محمود الرازی (اور بعض لوگ ان کا نام محمود بتاتے ہیں) .... علوم شرعیہ میں بھی حظ وافر رکھتے تھے، انہوں نے قاضی عضد وغیرہ سے پڑھا تھا۔

دیگر علوم شرعیہ و منقولہ کے علاوہ انہوں نے قاضی عضد سے "المواقف فی الکلام" کو بالمشافہ پڑھا تھا۔ بعد میں اس کتاب کو ان سے ان کے صاحب زادے نے پڑھا، جن سے میر سید شریف نے اسے سبقاً سبقاً پڑھا، اور اسی لئے ان کی "شرح المواقف" کے سامنے دوسرے فضلائے "المواقف" کی جو شروح لکھی تھیں، ماند ہو کر گوشۂ گمنامی میں جا پڑیں۔

فلسفہ میں وہ علامہ قطب الدین شیرازی کے شاگرد تھے۔ چنانچہ امام الدین ریاضی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

"علم از علمائے کبار اخذ نمودہ، ازاں جملہ است مولانا قطب الدین علامہ شیرازی" (باغستان ص۱۲۵ و)

اور علامہ قطب الدین شیرازی شاگرد تھے محقق طوسی کے جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ذکر میں لکھا ہے:۔

"کان ابوہ طبیباً فقرأ علیه .... ثم سافر الی النصیر الطوسی فقرأ علیه الهیئة وبحث علیه الاشارات وبرع" (قطب الدین شیرازی کے والد طبیب تھے لہٰذا انہوں نے ان سے طب پڑھی .... ازاں بعد وہ سفر کرکے محقق طوسی کے پاس پہنچے، پس ان سے ہیئت پڑھی، "اشارات" کی بحث کی اور کمال حاصل کیا۔

اسی طرح صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے:۔

"مولانا قطب الدین علامہ شیرازی .... آنجناب در اکثر علوم شاگرد خواجہ نصیر الدین طوسی بود۔ و در فضل و کمال بدرجہ بلند و مرتبہ ارجمند ترقی فرمود"

متاخرین میں امام الدین ریاضی نے "باغستان" کے اندر لکھا ہے:۔

"شمس فلک المحققین، نیر کوکبة المدققین العلامہ قطب الدین محمد بن مسعود تجاوز الله عنه

بلطف القدسی علامۂ مجسم است، و در حکمت شاگرد خواجہ نصیر الدین طوسی است ؎

محقق طوسی کا سلسلۂ تلمذ پانچ واسطوں سے شیخ بو علی سینا تک پہنچتا ہے، چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے "مجالس المومنین" میں لکھا ہے:۔

"در معارف عقلیہ تلمیذ فرید الدین داماد است و او شاگرد سید صدر الدین سرخسی و او شاگرد افضل الدین غیلانی و او شاگرد ابو العباس لوکری و او شاگرد بہمن یار و بہمن یار شاگرد شیخ ابی علی سینا" ؎

اس طرح مولانا قطب الدین کا سلسلۂ تلمذ شیخ بو علی سینا تک پہنچتا ہے۔

مولانا قطب الدین رازی کے ایک شاگرد مولانا جلال الدین رومی تھے، جیسا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" کے اندر سید یوسف بن سید جمال حسینیؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

"او شاگرد مولانا جلال الدین رومی است کہ از تلامذہ مولانا قطب الدین رازی شارح شمسیہ و مطالع است" ؎

جب فیروز تغلق نے مدرسہ فیروز شاہی کو تعمیر کرایا تو اس کی صدارت مولانا جلال الدین رومی ہی کو بلا کر تفویض کی، چنانچہ برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" کے اندر مدرسہ فیروز شاہی کی تعمیر کے ذکر کے بعد لکھا ہے:۔

"مولانا جلال الدین رومی کہ لبس استادے متعین است دائماً در منصب افادت سبق علوم دینی می گوید و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند" (تاریخ فیروز شاہی)

عہد فیروز تغلق کا مشہور شاعر مطہر مولانا جلال الدین رومی کی تعریف میں لکھتا ہے:۔

صدر آں محفل و سر دفتر آں اوستادے ۔۔۔ کہ ز سر تا بقدم صورت عقل است و وقار

گفتم ایں عالم آفاق جلال الدین است ۔۔۔ رومی آں کہ نسبش رے کند و روم فخار

راوی ہفت قرأت سند چاردہ علم ۔۔۔ شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چار

غالباً مولانا جلال الدین رومی ہی نے لا کر استاد کی "شرح شمسیہ" کو درس میں داخل کیا، جو شیخ عبد اللہ طلبنی کے ہندوستان آنے اور معقولات کو فروغ دینے سے پہلے، اس دیار میں منطق کی آخری کتاب کی حیثیت سے متداول تھی۔

افسوس ہمارے مورخین نے نہ تو مولانا قطب الدین رازی کے دوسرے تلامذہ کا، جنہوں نے ہندوستان آکر یہاں کی علمی سرگرمیوں میں حصہ لیا، کوئی تذکرہ محفوظ رکھا ہے اور نہ خود مولانا جلال الدین رومی کی مساعی اور ان کے شاگردوں ہی کا کوئی تفصیلی بیان قلم بند کیا ہے، صرف شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے

مولانا جلال الدین رومی کے ایک شاگرد سید یوسف بن سید جمال حسینی کا ذکر کیا ہے :-

"در زمان سلطان فیروز انار اللہ برہانہ از ملتان در لباس سپاہیان بولایت دہلی قدم آورد، چوں بندگی و دانش مندی او را مشاہدہ نمود، در مدرسہ کہ سلطان مذکور بر بنائے حوض خاص علائی بنا فرمودہ و مقبرۂ خود نیز در آں جا ساختہ است، مدرس ساخت سالہا دراں مقام بر مسند درس و افادت نشست .... او شاگرد مولانا جلال الدین رومی است کہ از تلامذۂ مولانا قطب الدین رازی ...... است"

لیکن مولانا قطب الدین رازی کے فیوض علمیہ ہندوستان میں میر سید شریفؒ کے توسط سے پہنچے جو خود تو یہاں تشریف نہیں لائے، لیکن یہاں کے علماء ان سے کسب فیض کرنے کے لئے شیراز گئے اور استفادہ کرنے کے بعد ہندوستان آئے، جہاں ان کے علمی افادات کی نشر و اشاعت کی۔ ان میں مولانا ثناء الدین ملتانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مگر ان کے اور ان کے تلامذہ کی علمی سرگرمیوں کے تذکرے سے پیشتر خود میر سید شریفؒ کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔

میر سید شریفؒ

میر سید شریفؒ سنہ ۷۴۰ھ میں استرآباد کے ایک گاؤں طاغو کے اندر پیدا ہوئے۔ بہت جلد تحصیل علم و حکمت سے فارغ ہو کر سرآمد فضلائے روزگار محسوب ہونے لگے۔ صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے :

"بعد از ترقی لبس رشد و تمیز آغاز تحصیل فرمودہ در اندک زمانے سرآمد محققان عالم و مقتدائے مدققان علماء محترم گردید"

سنہ ۷۷۹ھ میں شاہ شجاع بن محمد مظفر والی شیراز کے پاس پہنچے، جس نے ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر انہیں شیراز کے مدرسہ دار الشفا کا صدر مقرر کیا۔ یہاں انہوں نے دس سال تک مسند درس و افادہ کو رونق بخشی۔ سنہ ۷۸۹ھ میں تیمور نے شیراز کو فتح کیا اور دیگر باکمالوں کے ساتھ انہیں بھی اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا، جہاں وہ اس کی وفات (سنہ ۸۰۷ھ) تک مقیم رہے۔ یہیں ان سے اور علامہ سعد الدین تفتازانی سے مناظرہ ہوا، جس میں ان کی جیت ہوئی اور اس صدمہ سے علامہ تفتازانی نے سنہ ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔ تیمور کی وفات کے بعد میر سید شریف سمرقند سے چلے گئے، سنہ ۸۱۶ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

میر سید شریف، کثیر التعداد تصانیف کے مصنف ہیں۔ جن کی جلالت قدر کے بارے میں صاحب حبیب السیر

نے لکھا ہے :۔

"مصنفات امیر سید شریف بسیار است و در غایت اشتہار۔ و بر اکثر کتب متداولہ متقدمین و متاخرین حواشی دقت آئین و بلاغت قرین دارد۔ چنانچہ از زمان فرخندہ نشان آنجناب تا غایت غالباً ہیچ مدرسے از افادۂ حواشی و مولفات فصاحت صفاتش خالی نبودہ" (حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صـ ۹۹)

چنانچہ اُن کی اکثر تصانیف آج بھی ہمارے یہاں مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔

میر سید شریف کو جوانی میں مولانا قطب الدین رازی سے براہِ راست اُن کی تصانیف پڑھنے کا اشتیاق ہوا اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر وہ بہت زیادہ بوڑھے ہوچکے تھے اور نوجوان شاگرد کے پڑھانے کی خود میں طاقت نہیں پاتے تھے، اس لئے انہوں نے انہیں اپنے شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اُن کے پاس بھی وقت نہیں تھا، لہٰذا مستقل سبق مقرر کرنے کے بجائے ایک دوسرے شاگرد کے سبق میں جو اُس وقت "شرح مطالع الانوار" پڑھ رہا تھا، شریک کر دیا۔ "مطالع الانوار" منطق و حکمت میں ایک متن متین ہے جس کی مولانا قطب الدین رازی نے شرح لکھی تھی۔

میر سید شریف "شرح مطالع" کو پڑھتے تو دوسرے ساتھی کی معیت میں تھے مگر گھر پر خود اُس کی تیاری کرتے تھے اور اس اہم کتاب پر حواشی لکھتے جاتے تھے، ایک رات شمس الدین محمد بن مبارک شاہ اپنے مکان سے نکل کر مدرسہ میں آئے اور مختلف طالب علموں کے حجروں کے پاس سے گزرے۔ جس حجرے میں میر سید شریف مطالعہ میں مشغول تھے، وہاں بھی پہنچے اور چونکہ زور سے آواز آ رہی تھی، کھڑے ہو کر سننے لگے۔ میر سید شریف مطالعہ کیا کر رہے تھے، تقریر کر رہے تھے۔ انداز کچھ ایسا تھا:۔

"مصنف کا یہ کہنا ہے، شارح نے اس طرح توضیح کی ہے، اُستاد نے بدیں طور تقریر کی ہے، اور میں اس طرح کہتا ہوں "

نوجوان شاگرد کی اس شان خود اعتمادی نے شفیق اُستاد کو بہت زیادہ متاثر کیا اور دوسرے دن سے اُن کے سبق کے لئے بھی مستقل وقت مقرر کر دیا۔ اس طرح میر سید شریف نے محمد بن مبارک شاہ سے جو منطق میں اپنی دستگاہ عالی کی بنا پر "منطقی" بھی کہلاتے ہیں "شرح مطالع الانوار" پڑھی۔ انہیں سے انہوں نے "شرح حکمۃ العین" بھی پڑھی، جیسا کہ امام الدین ریاضی نے "باغستان" میں لکھا ہے :۔

"العالم العامل والعلم المنیف والسید السند الشریف میر سید شریف شاگرد شمس الدین محمد بن مبارک شاہ

است، شرح حکمۃ العین پیش او خواندہ ؀

اور محمد بن مبارک شاہ، قطب الدین رازی کے شاگرد تھے، چنانچہ امام الدین ریاضی دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"عامر الخافقین ظاہر القطبین محور فلک الحکمۃ والدین المولیٰ قطب الرازی یکے از اعیان مذکور و اعلام مشہور است .... جمع از مردم پیش او خواندہ اند، ازاں جملہ شمس الدین محمد بن مبارک شاہ ؀

میر سید شریفؒ کا فیض ہندوستان میں

میر سید شریف سے بے شمار طالب علموں نے کسبِ فیض کیا، ہندوستان کے بہت سے علماء بھی اُن سے پڑھنے گئے تھے، ان میں مولانا ثناء الدین ملتانی خاص طور سے مشہور ہیں، وہ غالباً نویں صدی ہجری میں تھے۔ اپنے وطن مالوف میں تکمیل علوم کرنے کے بعد شیراز تشریف لے گئے تھے، جہاں کئی سال تک میر سید شریف کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ شیخ جمالیؒ نے "سیر العارفین" میں مولانا فتح اللہ سے نقل کیا ہے۔

"خود را در تحصیل علم انداختم پیش حضرت سلطان العلماء مولانا ثناء الدین قدس سرہٗ کہ چند سال در شیراز پیش خدمت سید شریف تحصیل علم نمودہ بود ؀

مولانا ثناء الدین نے وطن واپس آکر اس علاقہ میں معقولات کی تعلیم کو خصوصیت سے رواج دیا۔ ان کے شاگردوں میں دو باکمال مشہور ہیں :- مولانا سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی۔

مولانا سماء الدین کے تلمذ کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

"گویند کہ پیش مولانا ثناء الدین کہ از شاگرداں میر سید شریف جرجانی بود، تلمذ کردہ" (اخبار الاخیار ص۱۱۲)

مولانا ملتان میں ہرج مرج پڑھنے پر رنتھبور پہنچے، کچھ دن بعد وہاں سے دہلی تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ ۹۰۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اُن کے تبحر علمی کے بارے میں شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے :-

"مولانا سماء الدین رحمۃ اللہ علیہ، جامع بود میان علوم رسمی و حقیقی" (ایضاً ص۱۱۲)

اُن کی تصانیف میں ایک تو شیخ فخر الدین عراقیؒ کی "لمعات" پر ایک جامع شرح ہے جس کے بارے میں شیخ عبدالحق کا تبصرہ حسب ذیل ہے :-

"وے بر لمعات شیخ فخر الدین عراقی حواشی نوشتہ کہ بحل معانی آں وافی و کافی است" (ایضاً ص۲۹)

دوسری مشہور تصنیف "مفتاح الاسرار" ہے جو آپ نے شیخ عزیز اللہ نسفیؒ کے رسائل سے استفادہ کے بعد مرتب فرمائی تھی، یہ کتاب تصوف کے بڑے اہم مسائل پر مشتمل ہے۔

شیخ سماء الدینؒ کے اولاد و احفاد میں میاں جمال خان مفتی اور میاں لاڈن بہت زیادہ مشہور ہوئے، میاں جمال خان نے پہلے اپنے پدر بزرگوار شیخ نصیر الدین سے اور زاں بعد شیخ عبداللہ طلبنی سے کسب فیض کیا، چنانچہ بدایونی نے میاں جمال خان کے ذکر میں لکھا ہے:۔

"میاں جمال خان مفتی دہلی: شاگرد پدر بزرگوار خود شیخ نصیر الدین و برادر میاں لاڈن از طائفہ کنبو است" (منتخب التواریخ جلد سوم ص[illegible])

دوسری جگہ شیخ عبداللہ طلبنی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

"واز استادان شنیدہ شد کہ زیادہ از چہل عالم تحریر متبحر از پائے دامن شیخ عبداللہ مثل میاں لاڈن و جمال خان دہلوی .... و دیگراں برخاستہ اند"

میاں جمال خان کے تبحر علمی کے بارے میں بدایونی کا تبصرہ حسب ذیل ہے:۔

"اعلم العلمائے زمان خود بود و در علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ و کلام و عربیت و تفسیر بے نظیر بود"

اسی طرح نظام الدین ہروی نے "طبقات اکبری" میں لکھا ہے:۔

"ملا جمال خان مفتی دہلوی از دانش مندان وقت بود۔ در منقول متبحر است و بقدرے در معقول نیز نمودہ عمرہا بدرس مشغول بود" (طبقات اکبری کشوری ص۲۹۱)

حسب تصریح بدایونی، انہوں نے میر سید شریف اور علامہ تفتازانی نے مفتاح العلوم کی شروح میں ایک دوسرے پر ایرادات کئے ہیں، محاکمہ کیا تھا اور "عضدی" (شرح مختصر الاصول) کو چالیس مرتبہ از اول تا آخر پڑھایا تھا۔

سارا وقت درس و تدریس میں صرف کرتے، عموماً دینی علوم پڑھاتے۔ کسی امیر یا حاکم یا بادشاہ کے یہاں نہیں جاتے تھے، بایں ہمہ حکام ان کی عزت کرتے تھے، فیض و برکت کا یہ عالم تھا کہ اکثر شاگرد دانشمند متبحر بن کر دنیا میں چمکے۔

میاں جمال خان نے ۹۸۴ھ میں وفات پائی۔

مولانا ثناء الدینؒ کے دوسرے شاگرد مولانا فتح اللہ تھے، انہوں نے "مشیخیت" کے بجائے "مولویت"

شاگرد تھے، شیخ جمالی نے "سیر العارفین" میں لکھا ہے :-

"مولانا فتح اللہ دانش مند کہ اُستاد شہر ملتان بود، و دانش مندان جائے را سبق می فرمودند،
چنانچہ مولانا ابراہیم نبیسہ پسری او و مولانا امام الدین کہ مذکور شدند، شاگرد او بودند"

مولانا فتح اللہ کے پوتے مولانا ابراہیم اپنی جامعیت کی بنا پر "ابراہیم جامع" کہلاتے تھے۔ پینسٹھ سال تک مختلف علوم کا درس دیتے رہے مگر سنہ ۹۳۲ھ میں جب مرزا شاہ حسین نے ملتان کو جبراً فتح کیا تو سپاہی اُن کے مکان میں بھی گھس آئے اور اُنہیں اور ان کے صاحب زادے مولانا سعد اللہ کو پکڑ کر لے گئے اور وزیر کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا ابراہیم کو مرزا شاہ حسین کے پاس لے گئے، اتفاق سے اُس وقت "ہدایہ" کا کوئی مسئلہ زیرِ بحث تھا، مولانا ابراہیم بھی پراگندگی خاطر کے باوجود اس مباحثہ میں شریک ہو گئے اور ایسی دل نشین تقریر کی کہ حضارِ مجلس عش عش کرنے لگے۔ مرزا شاہ حسین بھی بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اُس نے باپ بیٹوں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ اُن کا مال و اسباب سپاہیوں نے لوٹا تھا، واپس کرا دیا۔

کچھ ہی دن بعد مولانا ابراہیم کا تو انتقال ہو گیا اور مولانا سعد اللہ بددل ہو کر دکن چلے گئے۔

لیکن مولانا فتح اللہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور مولانا عزیز اللہ ملتانی تھے، چنانچہ جب سلطان حسین لنگاہ کے دربار میں مظفر شاہ گجراتی کے سفیر نے اپنے ملک کی دولت کا ذکر کیا اور سلطان اپنی اقتصادی بدحالی سے مغموم و رنجیدہ ہوا تو وزیر عماد الملک نے ملک کی دولت مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیز اللہ ہی کو بتایا اور ایک تقریر کے ضمن میں کہا :-

"تا مملکت ملتان مردم خیز است، چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند و الحمد للہ والمنۃ کہ ...... از طبقہ علماء مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اکثر ہندوستان بوجود ایں عزیزاں افتخار کنند"

مولانا عزیز اللہ کی عظمت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جام بایزید ان کے ہاتھوں کے دھوئے ہوئے پانی کو تبرک کے لئے محل میں چھڑکواتا تھا، لیکن بعد میں کچھ غلط فہمی ہو گئی اور مولانا عزیز اللہ ملتان سے ہندوستان چلے آئے۔ پہلے سنبھل پہنچے، اسی وجہ سے بعض اوقات "ملتانی" کے بجائے "سنبھلی" کہے جاتے ہیں، چنانچہ فرشتہ، سکندر لودی کے درباری علماء میں اُنہیں اسی نسبت سے منسوب کرتا ہے :-

"جمع از امراء کہ ہمیشہ ہمراہ بادشاہ می بودند ...... عزیز اللہ سنبھلی" (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۲)

سنبل سے وہ دہلی پہنچے جہاں سکندر لودی کے درباری علماء میں شریک ہو گئے اور سفر و حضر میں بادشاہ کے ہمراہ رہنے لگے۔

ملتان علماء کے ایک دوسرے فاضل شیخ عبداللہ طلبنی تھے جو کچھ تو ملتان کے ہرج و مرج سے بددل ہو کر اور کچھ سلطان سکندر لودی کی طلب اور قدر شناسی سے متاثر ہو کر دہلی تشریف لے آئے تھے، جیسا کہ فرشتہ لکھتا ہے :۔

"چوں بادشاہ را باستماع مذاکرۂ علمی رغبتے تمام بود، علمائے نامی را از اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد و تفصیل اسامی آنہا ایں است ..... میاں عبداللہ بن اللہ داد از طلبنہ"

(تاریخ فرشتہ جلد اول ص۱۸۱)

علماء ملتان کی دہلی میں آمد اور معقولات کی گرم بازاری

شیخ عبداللہ طلبنی اور شیخ عزیزاللہ ملتانی کے ہندوستان تشریف لے آنے کی وجہ سے اس دیار میں علوم معقولہ کی بڑی گرم بازاری ہوئی، جیسا کہ بدایونی نے لکھا ہے :۔

"و از علمائے کبار در زمان سلطان سکندر شیخ عبداللہ طلبنی در دہلی و شیخ عزیزاللہ طلبنی در سنبھل بودند۔ وایں ہر دو عزیز بہنگام خرابیٔ ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دراں دیار رواج دادہ و قبل ازاں بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شائع نبودہ" (منتخب التواریخ مطبوعہ نولکشور پریس ص۳۲۶)

شیخ عزیزاللہ ملتانی کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے متعلق بدایونی لکھتا ہے :۔

"شیخ عزیزاللہ تلنبی صاحب ارشاد و ہدایت بودند۔ آں جناب طبعے فیاض و استحضارے غریب داشتہ کہ متعلم مشتغل ہر طور کتابے مشکل منتہیانہ را کہ می خواہد بے مطالعہ درس می گفتند و بارہا بامتحان پیش آمدہ اسولہ لا یدفع لہ آوردہ اند و شیخ مشار الیہ در وقت افادہ معنے حل ساختہ"

شیخ عزیزاللہ کے ارشد تلامذہ میں میاں حاتم سنبھلی خصوصیت سے مشہور ہیں۔ بدایونی نے منتخب التواریخ میں علماء کرام کے تذکرہ کا افتتاح انہیں کے ذکر جمیل سے کیا ہے :۔

"ازاں جملہ استاد الاساتذہ میاں حاتم سنبھلی شاگرد میاں عزیزاللہ طلبنی است۔ و دریں قرن

مثل او من حیث الجامعیۃ عالمے جامع المعقول والمنقول نگذشتہ خصوصاً در کلام و اُصول و
فقہ و عربیت " (منتخب التواریخ جلد سوم ص۶۲)

اسی طرح نظام الدین ہروی نے "طبقاتِ اکبری" میں لکھا ہے:۔

" میاں حاتم سنبھلی از فحول علمائے وقت بود سالہا بافادہ اشتغال می نمود و اکثر کتب متداولہ
را یاد داشت " (طبقاتِ اکبری ص۲۹۰)

بدایونی کے زمانہ میں مشہور تھا کہ میاں حاتم سنبھلی نے "شرح مفتاح العلوم" اور "مطول علامہ تفتازانی"
کو چالیس مرتبہ سے زیادہ از اوّل تا آخر پڑھایا ہے۔ مغل فاتحین کے ہمراہ جو علماء آئے تھے، اُن میں مُلّا
علاء الدین لاری کو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا، یہاں تک کہ وہ ہمایوں سے اُمید رکھتا تھا کہ اس کی تعظیم
کرے، چنانچہ بایزید بیات نے اُس کے تذکرے میں لکھا ہے:۔

" مُلّا علاء الدین لاری کہ قبل ازیں ملازم حضرت بود و چند سال بجہت تحصیل بسمرقند رفتہ بود از سمرقند
مراجعت نمودہ وقتے کہ بندگان حضرت در پنجاب تشریف داشتند، بارد و آمدہ ۔۔۔۔۔۔۔ بہمہ
گفت کہ درین مرتبہ چشم داشت تعظیم از حضرت دارم " (تذکرہ ہمایوں و اکبر ص۱۸۸-۱۸۹)

اس بر خود غلط فاضل نے "شرح عقائد نسفی" پہ حاشیہ لکھ کر بڑے طمطراق سے میاں حاتم سنبھلی کی تنقید کے لئے
پیش کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ نو وارد علماء ولایت دیسی علماء کو خاطر میں نہ لاتے تھے، چنانچہ بایزید نے مرزا مفلس
اور مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری و صدر الصدور عبدالنبی کی ایک گفتگو نقل کی ہے، جس سے اُن نو وارد علماءؑ
کے تکبر کا اندازہ ہوگا۔ مرزا مفلس نے مُلّا عبدالنبی سے کہا تھا:۔

" اے غلام خورد تا آن قدر تحمل کن کہ غلام کلاں از من چیزے پرسیدہ است او را بیان کنم۔ بعد
ازاں جواب تو گویم " (ایضاً ص۳۰۸)

مُلّا علاء الدین لاری نے بڑی تحسین و آفرین کی اُمید میں یہ حاشیہ میاں حاتم سنبھلی کے سامنے پیش کیا تھا،
مگر اُنھوں نے اس پر ایسے دقیق اعتراضات وارد کئے کہ مُلّا علاء الدین سے جواب نہ بن پڑ سکا۔ بدایونی نے لکھا ہے:۔

" چوں مُلّا علاء الدین لاری بدعوئے تمام حاشیہ را کہ بر شرح عقائد نسفی نوشتہ، نزد میاں بردہ۔ بعد
از مطالعہ چنداں تدقیق کردہ اند کہ مُلّا علاء الدین را ہیچ جواب نماند " (منتخب التواریخ جلد سوم ص۴۶)

بدایونی نے لکھا ہے کہ میاں حاتم فقہ میں اپنے وقت کے امام ابو حنیفہ تھے (و در فقہ امام اعظم ثانی بود)۔

میاں حاتم سنبھلی نے ۹۶۹ھ میں وفات پائی۔ بدایونی نے ان کی آخر عمر میں کنز الدقائق کے چند اسباق تبرکاً تیمناً پڑھے تھے۔

شیخ عبداللہ طلبنی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، سلطان سکندر لودی کی طلب پر دہلی تشریف لائے تھے، بدایونی نے لکھا ہے کہ اُن کے حلقۂ درس سے چالیس سے زیادہ علمائے متبحرین فارغ ہو کر نکلے تھے۔

"و از اساتذہ شنیدہ شد کہ زیادہ از چہل عالم نحریر متبحر از پائے وان شیخ عبداللہ مثل میاں لادن و جمال خان دہلوی و میاں شیخ لودی و پیران سید جلال بدایونی و دیگراں برخاستہ اند" (منتخب التواریخ ص ۳۲۶)

سلطان سکندر اُن کا بہت زیادہ عقیدت مند تھا، بایں ہمہ اُن کا ادب بھی بہت زیادہ کرتا تھا، چناں چہ اکثر درس کے وقت آجاتا اور چپکے سے کسی گوشہ میں بیٹھ جاتا، درس کے بعد سلام علیکم کر کے صحبت قائم ہوتی۔

شیخ عبداللہ طلبنی کے علم و فضل کے بارے میں میر غلام علی آزاد نے لکھا ہے:۔

"پیش رو علماء است و قافلہ سالار فضلاء، مستجمع معقول و منقول و مستکمل فروع و اصول، عمر ہا در وطن مالوف بر بچار بالش افادہ نشست و شش جہت را بہ نشر لوامع علوم منور ساخت:"

(تذکرہ مآثر الکرام ص ۱۹۱)

شیخ عبداللہ طلبنی نے ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس دہلی میں ہے۔ تاریخ وفات "اولئک لہم الدرجات العلیٰ" ہے۔

یہ ایک مختصر تذکرہ ہے معقولات کے سیلاب کے پہلے ریلے کا جو علامہ تفتازانی اور میر سید شریف جرجانی کے تلامذہ کے توسط سے نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی ہجری کے آغاز میں ہندوستان کے اندر آیا۔ مگر اس سے بھی عظیم تر ریلا دسویں صدی کے آخر میں محقق دوانی کے شاگردوں کی وساطت سے آیا، جس نے ملک کے علمی مذاق کو یکسر بدل دیا اور جس کے اثرات آج بھی ہمارے مدارس میں نمایاں ہیں۔ مگر اس کی تفصیل ایک مستقل پیش کش کی متقضی ہے۔